پیغام سیرت

صبر کی ضرورت اور اہمیت، عصرِ حاضر میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد

لغت میں صبر روکنے کو کہتے ہیں، چنانچہ جب کہا جاتا ہے کہ صبرہ عن الشیٔ تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے اپنے آپ کو فلاں چیز سے روک لیا(۱) اور راغب اصفہانی کے بقول صبر سختی میں روکنے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ صبرت الدابۃ کا معنیٰ ہوتا ہے کہ میں نے جانور کو چارے کے بغیر روکے رکھا۔(۲)

اصطلاحِ شرع میں صبر کے معنیٰ ہیں، حبس النفس علی مایقتضیہ العقل، والشرع اوعما یقتضیان حبسھا عنہ (۳) ''عقل اور شریعت جن امور کا حکم دیتی ہیں ان پر نفس کو جمائے رکھنا اور جن سے وہ منع کرتی ہیں ان سے نفس کو باز رکھنا''۔

صبر لغوی اعتبار سے بہت سے مقامات پر استعمال ہوتا ہے، چنانچہ مصیبت کے موقع پر صبر کو صبر ہی کہتے ہیں، البتہ جنگ وغیرہ کے موقع پر صبر کو شجاعت کہتے ہیں، سخت مصائب کے عالم میں صبر کو اطمینانِ قلب سے تعبیر کرتے ہیں، اگر بات چھپانے کا موقع ہو تو اسے رازداری کہا جاتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ان تمام مواقع پر صبر کا لفظ استعمال ہوا ہے(۴)

اللہ تعالیٰ کے اسما میں بھی ایک نام صبور ہے، یہ مبالغے کا صیغہ ہے، اور اسی مادے سے ہے، اس کا مفہوم ہے ایسی ذات جو نافرمانوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتی۔(۵)

صبر کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی راہ میں نفس کے تقاضوں پر صبر کرنا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کے لئے نفس کے تقاضوں کے برخلاف صبر کرنا۔ ۳۔ اور اطاعتِ خداوندی کرنے اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے کے لئے جو مشکلات آئیں ان پر صبر کرنا۔(۶) اور جوہری کے بقول

(۱) ابن المنظور/لسان العرب/نشر ادب الحوزہ، قم ایران ۱۴۰۵ھ/ ج ۴، ص ۴۳۸ (۲) راغب اصفہانی/المفردات/مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۹۶۱ء/ص ۲۷۳ (۳) المفردات/ایضاً (۴) ایضاً (۵) لسان العرب/۴/ ۴۳۷ (۶) لسان/۴/ ۴۳۹

الصبر حبس النفس الجزع (۷) صبر نفس کو آہ وزاری سے روکنے کا نام ہے۔

صبر وثبات اور عزم واستقلال قانونِ فطرت ہے، انسان کو ہر منزل کے حصول کے لئے اور ہر میدان میں کامیابی کے لئے جس ملکے کی سب سے زیادہ ضرورت پیش آتی ہے وہ محنت کے بعد صبر ہے۔ خالقِ کائنات نے اس کائنات کا مزاج ایسا رکھا ہے کہ ہر کام ایک طے شدہ نظام کے تحت اور مقررہ مدت کے بعد ہی تکمیل پاسکتا ہے، کسان زمین کی درستگی اور اس میں بیج ڈالنے کے بعد عام طور پر تین سے چھ ماہ صبر کرتا ہے، اور بعض اوقات یہ مدت سال بھر تک ممتد ہو جاتی ہے، تب جا کر اسے اپنی محنت کا ثمرہ لہلہاتی فصل کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔ انسان کو صبر کی تلقین کی ہی غرض سے اور اس سے طبعی عجلت کا مادہ کم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اس کائنات کو اس نے چھ ایام میں تخلیق فرمایا ہے (۸) صاف ظاہر ہے کہ یہ اس ذات کے لئے لمحے بھر میں بھی ممکن تھا، جو کسی کام کے کرنے کے لئے محض ''کن'' کہنے کی بھی محتاج نہیں۔

ہم اگر خود حضرت انسان کا جائزہ لیں تو اس کی تخلیق سے لے کر بچپن تک اور بچپن سے لے کر لڑکپن، جوانی اور کہولت تک فطرت کا یہ قانون مسلسل نظر آتا ہے۔ انسان کا مزاج بچپن میں کچھ اور ہوتا ہے، اور اسے شعور کی پختگی، مزاج کی صلابت اور کردار کے ٹھہراؤ کے لئے ایک طویل وقت تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ فطرت کا یہ مزاج کائنات کی تمام اشیا میں موجود ہے، اس کا قانون اٹل ہے، جس میں انسان کسی طرح کی ترمیم کا مجاز نہیں۔ اس لئے اس کے پاس صبر وثبات کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

انسان کو عملی زندگی میں کامیابی کے لئے ہر طرح کا صبر درکار ہے، صبر انسانی اخلاق کا حصہ تو ہے ہی، عبادات بھی صبر کے بغیر تکمیل نہیں پاسکتیں۔ نماز کے لئے قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے :

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (۹)

اپنے اہل وعیال کو نماز کی تلقین کرو اور اس پر جم جاؤ۔

صبر انسان کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کا بھی ناگزیر حصہ ہے، مخالفین کا سامنا کرنے اور ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے قرآن کے لفظوں میں صبر ضروری ہے، ارشاد ہے:

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَايَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا (۱۰)

اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہیں ان (مخالفین) کا مکر وفریب کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

(۷) جوہری/الصحاح بذیل مادہ صبر (۸) اعراف: ۵۴ (۹) طٰہٰ: ۱۳۲ (۱۰) آلِ عمران: ۱۲۰

صبر واستقامت ایسی چیزیں نہیں ہیں جن سے حاصل شدہ فوائد صرف دنیاوی امور سے تعلق رکھتے ہیں، بلکہ صبر کرنے والے شخص کا اجر کسی صورت بھی ضائع نہیں ہوسکتا، دنیاوی فوائد وثمرات تو اسے حاصل ہوں گے ہی، اُخروی اجر وثواب بھی ان شاء اللہ اس کا نصیب ہوگا۔ قرآن کہتا ہے:

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (۱۱)

البتہ جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے، تو اللہ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

پھر ان کا اُخروی اجر بھی کوئی محدود نہیں، انہیں بلا حساب اجر سے نوازا جائے گا، دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (۱۲)

بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بلا حساب ملے گا۔

نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ جس کی اتباع ہم سب کی دنیا واُخروی کامیابی کے لئے ناگزیر ہے (۱۳) صبر کے حوالے سے بھی نہایت روشن اور قابل تقلید نمونۂ عمل ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی دعوتی زندگی کے روزِ اول ہی سے قدم قدم پر جن مشکلات، مصائب اور شدائد کا سامنا کیا اُن کی تفاصیل کتبِ سیرت میں مکمل جزئیات کے ساتھ موجود ومحفوظ ہیں، آپ ﷺ کی پوری زندگی صبر وبرداشت کی تصویر ہے، مشکلات ومصائب کا دور ہو یا فتح وکامرانی کا، ہر دور میں آپ ﷺ نے صبر سے کام لیا۔ ایک طرف تو طائف کے میدان میں آپ ﷺ نے پیش آنے والی مشکلات کا مقابلہ صبر سے فرمایا، اور اہلِ طائف کی شقاوت قلبی پر جب خالقِ کائنات نے جبرائیل امین کو بھیجا، اور انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے جو سلوک کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے دیکھ لیا ہے، اور اس نے ملک الجبال (پہاڑوں پر مامور فرشتہ) کو بھیجا ہے، اگر آپ حکم فرمائیں تو ان دونوں پہاڑوں کو (جن کے درمیان طائف اور مکہ ہیں) آپس میں ملا کر انہیں ختم کر دیا جائے تو آپ ﷺ نے یہی فرمایا:

میں نہیں چاہتا کہ ان لوگوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے، بلکہ مجھے امید ہے کہ ان کی نسل میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے، جو اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ (۱۴)

اسی طرح ہادیٔ برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اُحد کے مقام پر مشرکینِ مکہ کی جانب سے مسلط

(۱۱) یوسف: ۹۰ (۱۲) الزمر: ۱۰ (۱۳) الاحزاب: ۲۱

(۱۴) بخاری/الصحیح/مصطفیٰ البابی مصر، ۱۹۵۳ء/ج ۲، ص ۱۶۴۔ مسلم/الصحیح/دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۸ء/ج ۳، ص ۱۹۹

کردہ جنگ میں مصروف تھے، اور اس معرکے میں آپ کے دندانِ مبارک بھی شہید ہوئے، اور چہرۂ انور زخمی ہوا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ ان کے لئے بددُعا فرمایئے، ایسے کٹھن اور مشکل وقت میں بھی نبی رحمت ﷺ نے صبر کا بے مثال مظاہرہ کیا اور یہی دعا فرمائی:

''اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون (۱۵)

اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرما، یہ مجھے جانتی نہیں۔

اور دوسری جانب جب فتح مکّہ کے موقع پر یہی اہلِ مکہ جنہوں نے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کا جینا دوبھر کر دیا تھا، سرنگوں ہوگئے، اور انہوں نے اپنی امیدیں یہ کہہ کر رحمتِ عالم ﷺ کے دامنِ مبارک سے وابستہ کرلیں کہ اخ کریم، وابن اخ کریم۔ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے، تو آپ نے یہ فرما کر سب کو (چند ایک بدبختوں کے سوا) اذنِ رہائی دے دیا:

لاتثریب علیکم الیوم، اذھبوافانتم الطلقاء

آج تم پر کچھ الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (۱۶)

آپ ﷺ نے جن مشکلات کا سامنا کیا اُن کو پڑھ کر ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور پھر جب ہم پڑھتے ہیں کہ اتنے بڑے واقعات پر بھی آپ نے صبر وضبط سے کام لیا تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ صبر کا جذبہ انسان کو ترقی کی کس قدر منازل سے آشنا کرتا ہے؟ ابتدائی ایام کا ذکر ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ سجدہ کررہے تھے اور ان کے گرد قریش کے کچھ لوگ کھڑے تھے، اس دوران عقبہ بن ابی معیط اُونٹ کی اوجھڑی لایا اور حضورِ اکرم ﷺ کی پشت پر ڈال دی، جس سے آپ سر نہ اُٹھا سکے۔ اس دوران حضرت فاطمہؓ آگئیں اور اسے آپ کی پشت سے ہٹایا اور جس نے یہ حرکت کی تھی اس کو بددعا دی۔ (۱۷)

آپ ﷺ کا یہ بے مثل صبر وضبط دراصل امتِ محمدیہ کے لئے ایک سبق اور درسِ عمل تھا، آپ نے اپنے عملِ مبارک کے ذریعے یہ تلقین وتاکید فرمادی کہ حالات خواہ کیسے ہی ناساز کیوں نہ ہوں، مشکلات کا دورانیہ خواہ کسی قدر ہی طویل کیوں نہ ہو اور مصائب کی شدت خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، فتح اور مکمل کامیابی کے لئے صبر ازبس ضروری ہے، اور صبر وثبات کے بغیر دائمی، حقیقی اور مکمل کامیابی کا تصور ممکن نہیں۔

(۱۵) قاضی عیاض/ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۵۰ء/ الشفاء/ ج۱، ص۶۱

(۱۶) مولانا شبلی نعمانیؒ/ سیرت النبی/ دارالاشاعت، کراچی/ ج۱، ص۳۰۰　　(۱۷) بخاری/ ج۴، ص۲۳۹

یہاں یہ بات بھی نہیں کہی جاسکتی کہ چونکہ نبی اکرم ﷺ کو براہِ راست اللہ تعالیٰ کی مدد اور وحی الٰہی کی تائید حاصل تھی، اس بنا پر آپ عزیمت کی اس بلندی پر فائز تھے جہاں عام انسان کا گزر ممکن نہیں، یہ بات جزوی طور پر تو درست ہوسکتی ہے مکمل طور پر نہیں، یہ درست ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے مقام بلند کا تصور بھی ہمارے لئے ممکن نہیں، مگر آپ کا اُسوۂ حسنہ ہم سب کے لئے از روئے نصِ قرآنی دائمی نمونۂ عمل ہے، اور یہ حکم صبر کے لئے بھی ہے۔ دوسرے اگرچہ آپ ﷺ کا براہِ راست تائید خداوندی اور وحی الٰہی سے تعلق تھا، مگر یہ بات آپ کو پہنچنے والی مشکلات اور مصائب کی شدت میں کمی نہیں کرتی، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کو پہنچنے والی مشکلات اور مصائب بھی دوسروں کے مقابلے میں ہر اعتبار سے بہت زیادہ تھے، خود آپ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے:

> بلاشبہ اللہ کی راہ میں مجھے جس قدر اذیت دی گئی اتنی کسی کو نہیں دی گئی، اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا ڈرایا گیا کہ کسی کو اتنا نہیں ڈرایا گیا (۱۸)

اور ایک مرتبہ آپ ﷺ سے سوال ہوا کہ کن لوگوں کی آزمائش سب سے کڑی ہوتی ہے؟ فرمایا کہ انبیاء کی، پھر ان سے کم تر لوگوں کی پھر اُن سے کم تر لوگوں کی، لوگوں کو اُن کے دین کے تناسب سے آزمایا جاتا ہے، جس کا دین سے تعلق مضبوط اور مستحکم ہوگا اس کی آزمائش سخت ہوگی، اور جس کی دین داری کمزور ہوگی اس کا امتحان بھی کمزور ہوگا، اور آدمی کی آزمائش ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ (ان میں پورا اُترنے کے بعد) وہ زمین پر چلتا ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا۔ (۱۹)

صبر، حدیث کے الفاظ میں ایک روشنی ہے، مینارۂ نور ہے۔ الصبر ضیاء (۲۰) انسان جب زندگی کی پُر پیچ راہوں میں مشکلات کے اندھیروں سے نبرد آزما ہوتا ہے، حوادث کے تھپیڑے اس کے سامنے زیست کی راہ کو تاریک کردیتے ہیں، اور پریشانیوں کی ظلمت دراز ہونے لگتی ہے تب صبر روشن چراغ کی مانند اپنی ضیا پھیلاتا ہے، ایسے وقت میں صبر ایسی روشنی کا کام دیتا ہے جو اُسے مایوسیوں سے نکال کر امید کی روشن راہوں تک لے آتی ہے۔ اس لئے صبر ہر حال میں ایک مسلمان کا وظیفۂ حیات ہونا چاہئے۔

مشکلات ومصائب کے بارے میں ہمارا تصور بھی حد درجہ ناقص ہے۔ ہمارا عام تصور یہ ہے کہ مشکلات کا سبب یا تو اللہ تعالیٰ کی ناراضی ہے، ہماری بدقسمتی ہے، بزرگوں کا عدم التفات ہے، یا پھر

---

(۱۸) ابن الحجر العسقلانی/ فتح الباری/ قدیمی کتب خانہ، کراچی/ ج ۷، ص ۲۱۰ (۱۹) ترمذی/ السنن/ دار الفکر، بیروت ۱۹۹۴ء/ ج ۴، ص ۱۷۹۔ رقم ۲۴۰۶۔ ابن ماجہ/ السنن/ دار المعارفہ، بیروت ۱۹۹۸ء/ ج ۴، ص ۶۳۳۔ رقم ۴۰۲۳
(۲۰) مسلم/ ج ۱، ص ۱۷۱۔ رقم ۲۲۳۔ ترمذی/ ج ۵، ص ۳۰۷۔ رقم ۳۵۲۸

کاروباری، خاندانی اور ذاتی رقابتوں کا شاخسانہ ہے، جن کے نتیجے میں ہم پر جادو کے ذریعے یا جنات وغیرہ کے توسط سے ایسا عمل کر دیا جاتا ہے جو ہماری گھریلو، کاروباری اور خاندانی مشکلات کا باعث بنتا ہے۔ یہ تصور ہمارا اپنا تراشا ہوا ہے جس کا اسلامی فکر سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن تو ہمیں یہ ہدایت دیتا ہے کہ کسی بھی انسان کو اور بالخصوص اچھے مسلمان کو کسی بھی صورت اس دنیا میں مشکلات سے مفر نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ (۲۱)

ہم ضرور تمہیں آزمائش میں مبتلا کریں گے، تاکہ تمہارے حالات کو جانچیں، اور دیکھ لیں کہ تم میں مجاہد اور ثابت قدم کون ہیں؟

اور دوسرے مقام پر بالکل واضح فرما دیا:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ O وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ O (۲۲)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ (محض) آمنا (ہم ایمان لائے) کہہ کر چھوٹ جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔ اور بیشک ہم ان سے پہلے والوں کو بھی آزما چکے ہیں، سو اللہ ضرور معلوم کرے گا کہ کون سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو بھی ضرور جان لے گا۔

اس لئے مشکلات کا تعلق کسی اور چیز سے جوڑنے کی بجائے اسے من جانب اللہ سمجھنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے اعانت مانگتے ہوئے اپنے حالات کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے اور نتائج اللہ کے سپرد کر دینے چاہئیں۔ اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اسی میں خیر ہے، اور اسی میں ہماری بھلائی ہے۔ حدیث میں بھی یہ مفہوم بیان ہوا ہے۔ ایک بار دشمنوں کی جانب سے مسلمانوں کو پہنچائی جانے والی تکالیف سے تنگ آ کر بعض صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کی تو آپ نے ناراضی ظاہر فرمائی اور سختی سے جواب دیا اور فرمایا:

(۲۱) محمد: ۳۱ (۲۲) عنکبوت: ۲، ۳

تم سے پہلے جو لوگ گزر چکے ہیں ان کے جسموں پر آرے چلائے گئے اور اُن کی کھالیں تک اُتار لی گئیں، مگر وہ اپنے مذہب سے نہیں پھرے، خدا کی قسم، دین اسلام اپنے کمال کو پہنچ کر رہے گا، حتیٰ کہ صنعاء سے حضر موت تک جانے والا مسافر خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گا (۲۳)

ایک روایت میں اس بات کی وضاحت آپ ﷺ نے یوں فرمائی، فرمایا:

اذا اراداللہ بعیدہ الخیر عجل لہ العقوبۃ فی الدنیا، واذا اراد بعبدہ الشر امسک عنہ بذنبہ حتی یوافی بہ یوم القیامۃ (۲۴)

جب اللہ اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے دنیا ہی میں سزا دے دیتا ہے، اور جب اپنے کسی بندے کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے گناہوں کی سزا کو دنیا میں ترک کر دیتا ہے، تا کہ روزِ قیامت اُسے پوری سزا دے۔

یہ پہلو بھی ہمارے لئے نہایت اہم ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہمیں پیش آمدہ مشکلات کے بارے میں یہ یقین بھی رکھنا چاہئے کہ اِن وقتی اور دُنیاوی تکالیف کی وجہ سے ہماری دائمی اُخروی زندگی کی راحت کا سامان ہو رہا ہے، اور عارضی زندگی کی عارضی مشکل اگر دائمی زندگی کی دائمی راحت کا سبب بن جائے۔ اور ہم جب اس دُنیا سے رخصت ہوں تو ہمارا دامن ہماری بداعمالیوں کے اثرات سے پاک ہو تو یہ سودا کس قدر سستا ہے؟ یہ سستا سودا تو ہمیں خوش دلی سے قبول کرنا چاہئے۔

نبی اکرم ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کا یہ عملی پہلو یعنی صبر وضبط ہماری عملی زندگی کے لئے ہر پہلو سے نمونۂ عمل ہے، خصوصاً آج کے حالات میں صبر ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ابتدائی اور لازمی جز ہونا چاہئے، اجتماعی سطح پر بھی عالمی صورتِ حال کے حوالے سے ہمیں اپنی حکمتِ عملی کو جہاں از سرِ نو متعین کرنا چاہئے، وہیں خالص جذباتیت سے مکمل کنارہ کشی اختیار کر کے اور صبر واستقامت سے کام لے کر اپنے متعین اہداف کی طرف پیش قدمی کرنی چاہئے۔ یہ وہ راہ ہے جہاں جذباتیت بھی ضرر رساں ہے اور عجلت پسندی بھی۔ دوسری جانب ہماری توجہ اچھا اور باکردار مسلمان بننے پر پوری طرح مرکوز ہونی چاہئے، خصوصاً ہمارے سماجی روّیے آج قطعاً ایک اچھا مسلمان ہونے کی نشاندہی نہیں کرتے اور نبی اکرم ﷺ کے اُمّتی ہونے کی حیثیت سے ہم پر جو فرائض لازم آتے ہیں، ان سے ہم بالکل لاعلم، بے پرواہ ہیں۔ اس کی گواہی کے لئے کسی بڑی بات کی ضرورت نہیں، بہت چھوٹی چھوٹی باتیں اس کے ثبوت کے لئے کافی

(۲۳) ابوداؤد/ السنن/ دارالفکر، بیروت/ ۱۹۹۴ء/ ج ۲، ص ۳۹۶۔ رقم ۲۶۴۹ (۲۴) ترمذی ۴/ ۱۷۸۔ رقم ۲۴۰۴

ہیں۔ مثلاً ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی ہمارا روزمرہ کا معمول ہے، جسے اب معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا، حالانکہ یہ براہِ راست دوسروں کو ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے ذیل میں آتا ہے، اور اس کا حل صرف صبر میں پوشیدہ ہے، یہ صرف ٹریفک قوانین کا ہی حال نہیں، ہم قطار اور صف بندی کے کسی مرحلے کے بھی قائل نہیں، اور جب ایسے کسی موقع پر ہمیں اپنی کوتاہی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے، تو ہم اس سے بھی زیادہ نامناسب اور ناروا روّیوں کا سہارا لیتے ہیں۔

اسی طرح اگر اپنے حقوق کے حصول کا معاملہ ہو تو بھی ہم صبر سے کام نہیں لیتے، اور کوشش ہوتی ہے کہ ہمارا حق ہمیں جلد سے جلد بلکہ وقت سے بھی پہلے مل جائے، مگر جب اپنے فرائض کی ادائیگی کا وقت آتا ہے تو اس سلسلے میں پیش آنے والی مشقتوں اور مشکلات پر صبر سے کام لینے کے بجائے اپنی ذمہ داریوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ہم اشتعال انگیزیوں کا بھی بہت جلد شکار ہو جاتے ہیں، جس کے سبب ہماری مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے، مگر ہمیں شاید علم نہیں کہ اگر ایسے مواقع پر ذرا سے صبر اور برداشت سے کام لیا جائے تو خود ہمارے لئے بھی مشکلات کم ہو سکتی ہیں۔

یہ اور ان جیسے بہت سے پہلو جو ہماری عملی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، ہمیں صبر و ثبات، استقامت اور برداشت کی تلقین کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کا اُسوۂ حسنہ بھی ہمارے سامنے ہے، آپؐ سے ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا تعلق اور آپؐ سے محبت کے دعوے اب ہم سے تھوڑی سی قربانی مانگتے ہیں، ہمارے جذبات کی قربانی اور بے عملی کی اس غلط مگر نفس کی نظر میں پُر آسائش زیست کی قربانی۔ یہ قربانی دے کر ہی ہم صحیح معنوں میں کامیاب زندگی گزار سکتے ہیں۔ دنیاوی اعتبار سے بھی اور اُخروی لحاظ سے بھی۔ اللہ تعالیٰ راہِ عمل ہم سب کے لئے آسان اور روشن بنائے، آمین۔